جناب محمد طیب مظہر گوجروی

اسلام میں انسانی حقوق کا تصوّر

بنیادی انسانی حقوق کا تعلق فرد کی ذات سے ہے اور جس معاشرے میں فرد کو یہ حقوق یسر نہیں وہاں اجتماعیت کی صحت مندی کا تصور ممکن نہیں۔ لاسکی کی زبان میں ایسے یوں بیان کیا گیا ہے:

We will build rights upon individual person ality because ultimately the welfare of the community it built upon the happiness of Individual

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور اسکی تعلیمات انسانی زندگی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہیں، اس لئے اس نے حقوق انسانی کے متعلق بھی واضح تعلیمات دی ہیں۔ حقوق انسانی تو بڑی دور کی بات ہے وہ تو نباتات کو بے مقصد کاٹنے اور حیوانات کو بے سبب تکلیف پہنچانے کے حق میں بھی نہیں۔ انسانی حقوق کے متعلق تو اس قدر تفصیلی ہدایات ہیں کہ غالباً کسی مذہب اور کسی معاشرتی وسیاسی نظام میں نہیں پائی جاتیں۔

اسلام فرد سے لیکر اجتماعیت کے عروج تک کو سمیٹ لیتا ہے۔ وہ حقوق کی تعلیم دیتا اور انکی تربیت کو ملحوظ رکھتا ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے ہم حقوق کو اخلاقی، قانونی، سیاسی اور معاشی کہہ سکتے ہیں۔ فرد کے اپنے احساس سے لیکر ان حقوق تک جن کا تحفظ ریاست کرتی ہے۔ سب اسلام کی تعلیم میں موجود ہیں اور وسیع پیمانے پر انسانی ہمدردی وخیرخواہی اور امداد وتعاون کی وہ تفصیلات بھی موجود ہیں جنہیں آج بنیادی انسانی حقوق کے نام سے یاد اور دورحاضر کی بڑی کامیابی تصور کیا جاتا ہے۔ اہل مغرب اس بات کے مدعی ہیں کہ انسان کو بنیادی حقوق اگر نصیب ہوئے ہیں تو میگنا کارٹہ (Megna Carta) کے ذریعہ ملے ہیں۔ حالانکہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ یہ منشور ظہور اسلام کے تقریباً چھ سو سال بعد وجود میں آیا۔ اسلام نے اس منشور سے قبل ہی انسان کو بنیادی حقوق عطا کردیئے تھے۔ اس منشور کے لکھنے والے اگر دین اسلام کا مطالعہ کرتے تو کبھی بھی اس بات کا دعویٰ نہ کرتے کہ دنیا کو یہ نعمت ہمارے ہی ذریعے ملی ہے۔ سترویں صدی سے قبل اور تقریباً بعد میں بھی اہل مغرب میں حقوق انسانی کا ایسا تصور موجود نہیں تھا جو اسلام نے پیش کیا۔ اہل مغرب کا یہ تصور بھی اٹھارویں صدی کے آخر میں امریکہ اور فرانس کے دساتیر میں ملتا ہے۔ موجود صدی کے وسط میں اقوام متحدہ نے حقوق انسانی کے متعلق ایک چارٹر پیش کیا، جس کا نام Universal

Declaration of human righits ہے ۔ اس چارٹر میں نسل کشی کے خلاف بھی ایک قرارداد منظور کی اور ایک ضابطہ بنایا ۔ لیکن وہ ضابطہ واجب العمل نہیں ہے ۔ اس اعلان کے باوجود انسانی حقوق پائمال ہوئے اور اقوام متحدہ اس کا کوئی سدباب نہیں کر سکتی ۔

اسلام میں بنیادی حقوق کی حیثیت ؟ :- اسلام میں بنیادی حقوق ایک منفرد حیثیت رکھتے ہیں ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ حقوق نہ کسی بادشاہ کے بخشے ہوئے ہیں اور نہ ہی کسی مجلس قانون ساز کا احسان ہے ۔ اسلام میں بنیادی حقوق صرف اللہ کا عطیہ ہیں اور زمین پر کوئی مجلس قانون ساز یا حکومت ان حقوق کو سلب نہیں کر سکتی ، یہاں تک کہ ان میں ردوبدل کرنے کی بھی مجاز نہیں ہیں ۔ اس کے علاوہ یہ بنیادی حقوق صرف کاغذ کی زینت نہیں ہیں بلکہ عملی طور پر ان کا وجود ثابت ہے ۔ اقوام متحدہ کے چارٹر اور قراردادیں بھی انکا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ یہ صرف دین اسلام کی خصوصیت ہے کہ اسلامی حکومت نہ صرف یہ حقوق تسلیم کرتی ہے بلکہ ان کا نفاذ بھی اس کے فرائض میں شامل ہے ۔ اگر کوئی حکومت ان حقوق میں اپنی آزادی رائے استعمال کرتی ہے تو ایسی حکومت کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے ۔ " ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللّٰہ فیہ ومن لم یحکم بما انزل اللّٰہ فاولٰیک ھم الفسقون " (المائدہ ۴۷)

ترجمہ :- ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے اس میں نازل کیا ہے اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں ۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں " یہاں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے حق میں جو خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں تین حکم ثابت کیے ہیں ۔

(۱). ایک یہ کہ وہ کافر ہیں ۔ (۲). یہ کہ وہ ظالم ہیں ۔ (۳). یہ کہ وہ فاسق ہیں ۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ جو انسان خدا کے حکم اور اس کے نازل کردہ قانون کو چھوڑ کر اپنے یا دوسروں کے بنائے ہوئے قوانین پر فیصلہ کرتا ہے وہ دراصل تین بڑے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے ۔ اولاً اس کا یہ فعل حکم خداوندی کے انکار کا ہم معنیٰ ہے اور یہ کفر ہے ۔ ثانیاً اس کا یہ فعل عدل وانصاف کے خلاف ہے ، کیونکہ ٹھیک ٹھیک عدل کے مطابق جو حکم ہوسکتا ہے وہ خدا نے دے دیا تھا ۔ اس لئے جب خدا کے حکم سے ہٹ کر اس نے فیصلہ کیا تو ظلم کیا ۔ تیسرے یہ کہ بندہ ہونے کے باوجود جب اس نے اپنے مالک کے قانون سے منحرف ہوکر اپنا یا کسی دوسرے کا قانون نافذ کیا تو درحقیقت بندگی اور اطاعت کے دائرے سے باہر قدم نکالا اور یہی فسق ہے ۔

" تفہیم القرآن " جلد اول ۔ المائدہ صفحہ (۴۷۵)

حق زندگی :- اسلام کسی شہری کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی دوسرے شہری کو ناحق قتل کرے ۔ قرآن مجید میں بیشتر مقامات پر اسکی وضاحت کی گئی ہے ۔

" ولاتقتلوالنفس التی حرم اللہ الا بالحق ومن قتل مظلوما فقد جعلنا لولیہ سلطنا فلا یسرف فی القتل انہ کان منصورا " ترجمہ :- " اور نہ مارو اس جان کو جس کو منع کردیا ہے اللہ نے مگر حق پر اور جو مارا گیا ظلم سے تو دیا ہم نے اس کے وارث کو زور لسوحد سے نہ نکل جائے قتل کرنے میں اس کو مدد ملتی ہے " ۔ قتل ناحق کا جرم عظیم ہونا دنیا کی ساری جماعتوں، مذہبوں اور فرقوں میں مسلّم ہے ۔ حدیث میں رسول کریمؐ نے فرمایا " ساری دنیا کی تباہی اللہ کے نزدیک اس سے اہون (ہلکی) ہے کسی مومن کو ناحق قتل کیا جائے " ۔ اور بعض روایات میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں کے باشندے کسی مومن کے قتل ناحق میں شریک ہو جائیں تو ان سب کو اللہ تعالیٰ جہنم میں داخل کریں گے ۔ (ابن ماجہ بسند حسن والبیہقی) ایک حدیث میں رسول کریمؐ نے فرمایا " جس شخص نے کسی مسلمان کو قتل میں قاتل کی امداد ایک کلمہ سے بھی کی تو میدان حشر میں جب وہ اللہ کے سامنے پیش ہوگا اس کی پیشانی پر لکھا ہوگا ۔ " ائس من رحمۃ اللہ " (بحوالہ تفسیر مظہری) صفحہ ۶۸ جلد ۷

اس ایت اور احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نسل انسانی کا قتل ایک بدترین فعل ہے اور اس کی سزا ابدالاباد تک جہنم ہے ۔ حضور اکرمؐ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا " ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی جان ومال اور عزت گرانا حرام کیا گیا ہے " اس کی مزید وضاحت سورۃ المائدہ میں کی گئی ہے ۔ " من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمعیاً ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمعیاً " اس ایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو کسی کی جان اور زندگی کس قدر محبوب ہے اور کسی حالت میں بھی وہ کسی کو اس حق سے محروم کردینے کی اجازت نہیں دیتا ۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں ۔ " قتل نفس سے مراد صرف دوسرے انسان کا قتل نہیں ہے بلکہ خود اپنے آپ کو قتل کرنا بھی ہے ۔ اس لیے نفس جسے اللہ نے ذی حرمت ٹھہرایا ہے اس کی تعریف میں دوسرے نفوس کی طرح انسان کا اپنا نفس بھی داخل" ہے ۔ لہذا جتنا بڑا جرم اور گناہ قتل انسان ہے اتنا ہی بڑا جرم اور گناہ خودکشی بھی ہے ۔ آدمی کی بڑی غلطیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی جان کا مالک اور اپنی اس ملکیت کو بااختیار خود تلف کرنے کا مجاز سمجھتا ہے، حالانکہ یہ جان اللہ کی ملکیت ہے اور ہم اس کے اتلاف تو درکنار اس

کے کسی بے جا استعمال کے بھی مجاز نہیں ہیں۔ دنیا کی اس امتحان گاہ میں اللہ جس طرح بھی ہمارا امتحان لے اسطرح ہمیں آخر وقت تک امتحان دیتے رہنا چاہیئے۔ (تفہیم القرآن جلد دوم ص ۶۱۴)

اسلام کسی انسان کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ خود اپنی جان کو ضائع کرنے کا سبب بننے خواہ وہ کسی آلہ قتل سے ہو یا دوائی وغیرہ سے کیونکہ اس کو حق نہیں ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات کو خود اپنے ہاتھوں میں لے لے۔ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو قتل کرتا ہوا اگر گرفتار کیا جائے تو اس بنیادی حق معاملہ میں عدالت کی طرف سے اس پر قتل کا مقدمہ چلایا جاسکتا ہے۔ اس حق زندگی میں والدین کو بھی اجازت نہیں کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کریں خواہ وہ قتل زندہ ہونے کی صورت میں کیا جائے یا پیٹ کے اندر ہی کسی ذریعہ سے بچے کو قتل کیا جائے دونوں صورتوں میں یہ ناحق قتل شمار ہوگا، کیونکہ اللہ نے اس بچے کو جو حق زندگی دیا ہے والدین کو اس حق سے محروم رکھنے کا کوئی حق نہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے "ولاتقتلو اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم ان قتلھم کان خطا کبیرا" (بنی اسرائیل آیت نمبر: ۳۰)

ترجمہ:۔ "اور نہ قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے اندیشہ سے ہم ہی رزق دیتے ہیں انہیں بھی اور تمھیں بھی بلاشبہ اولاد کو قتل کرنا بہت بڑی غلطی ہے"

پیرکرم شاہ الازہری رقمطراز ہیں: "آج بھی جب انسانی حقوق کی دھوم مچی ہوئی ہے اولاد کو کم کرنے کی کوشش تیز تر ہوتی جارہی ہیں اور اس کام نے ایک تحریک کی صورت اختیار کرلی ہے جس کی پشت پناہی کیلئے حکومتوں نے اپنے خزانوں کے دروازے کھول دیئے ہیں اور اس تحریک کا مرکزی نقطہ یہی ہے کہ وسائل معاش پر اتنا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیئے جس کے وہ متحمل نہ ہوں۔ نسل کشی کی اس تحریک کو ختم کرنے کیلئے فرمایا فقروافلاس کے اندیشہ سے اولاد کو قتل نہ کرو۔ اس کے بعد اس اندیشہ کا قلع قمع ان الفاظ سے فرمایا "کہ رزاق ہم ہیں" انہیں اور تمھیں رزق مہیا فرمانا۔ ہم نے اپنے ذمہ کرلیا ہے۔ تم خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشان اور ہلکان کیوں کررہے ہو"

(ضیاء القرآن بنی اسرائیل ۳۰ جلد دوم)۔ بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضوراکرمؐ نے فرمایا "کسی مسلمان کا خون سوائے تین باتوں کے حلال نہیں۔

(۱). شادی شدہ زانی یعنی بدکار (۲). جس نے کسی انسان کو ناحق قتل کیا ہو۔ (۳) جو دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہوگیا ہو۔ فقہاء کرام نے اس میں دو اور وجوہات کا اضافہ کیا ہے۔

(۱). دین حق کے راستہ میں مزاحمت کرنے والا۔ (۲). اسلامی نظام حکومت الٹنے کی سعی کرنے والا۔

اس کے علاوہ کسی اور صورت میں کسی انسان کو اس حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن مجید میں قتل کا بدلہ قتل ہے۔ مگر اس سلسلہ میں بھی اسلام براہ راست کسی کو قتل کرنے کی ممانعت کرتا ہے اور ہدایت دیتا ہے کہ جو قتل ہوجائے اس کے ورثاء کو حق حاصل ہے کہ یا معاف کردیں قصاص لے لیں یا عدالت میں دعویٰ کردیں۔ اسلامی حکومت میں صرف عدالت ہی کسی کے قتل کا فیصلہ دے سکتی ہے۔ اگر کوئی اپنے قتل کا بدلہ لینے کیلئے خود کسی کو قتل کرے تو قانونی طور پر وہ مجرم شمار ہوگا۔ کیونکہ اسلام اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

۲ حق آزادی :- اہل مغرب کا دعویٰ ہے کہ غلامی کا انسداد ہمارے ہی ذریعہ ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ انہیں ایسا کرنے کی توفیق گذشتہ صدی کے وسط میں ہوئی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جس بڑے پیمانے پر وہ افریقہ سے آزاد انسانوں کو پکڑ پکڑ کر اپنی نوآبادیوں میں لے جاتے تھے اور انکے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا انہی کی اپنی کتب ہی اس پر دلیل ہیں۔ مغربی اقوام کا امریکہ اور جزائر غرب الہند پر قبضہ ہوجانے کے تقریباً ساڑھے تین سو سال بعد بھی یہ غلامانہ تجارت جاری رہی۔ آج بھی وہ ساحل موجود ہے جس ساحل سے سیاہ فام لوگوں کو پکڑکر بندرگاہوں سے روانہ کیا جاتا اسی بناء پر اس ساحل کا نام ساحل غلامانہ پڑ گیا۔ ۱۶۸۰ء سے ۱۷۸۶ء تک تقریباً ایک صدی کے اندر دو کروڑ انسانوں کو غلام بنایا گیا۔ جن جہازوں میں ان قیدیوں کو لے جایا جاتا ان میں ان افریقیوں کو جانوروں کی طرح نہ صرف ٹھونس دیا جاتا بلکہ انہیں زنجیروں سے جکڑدیا جاتا۔ اندازہ ہے کہ مغربی اقوام نے مجموعی طور پر جن افراد کے گلے میں غلامی کا طوق پہنایا انکی تعداد کروڑوں تک ہے۔

شاہ معین الدین احمد ندوی اپنی تصنیف "دین رحمت" میں رقمطراز ہیں:

"خود یورپ میں انیسویں صدی کے وسط تک غلامی رائج تھی۔ یورپین قومیں محض جنگی قیدیوں ہی کو نہیں کہ بعض وحشی قوموں کو بھی زبردستی غلام بنالیتی تھی۔ غلاموں کی حیثیت جانوروں سے بہتر نہ تھی۔ آقا انکی جان تک کا مالک ہوتا تھا۔ غلاموں کے قتل تک کی اجازت تھی ان سے طرح طرح کے پرمشقت کام لیے جاتے تھے اور ادنیٰ لغزش اور سرتابی کی بڑی سخت سزا دی جاتی تھی۔ اس کے باوجود اہل مغرب دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے بنی نوع انسان کو آزادی سے ہمکنار کیا بلکہ وہ اسلام پر ہی غلامی کے جائز رکھنے کا الزام ٹھہراتے ہیں، حالانکہ اسلام کسی شخص کو بھی اجازت نہیں دیتا کہ کسی آزاد فرد کو غلام بنالیا جائے یا اسے فروخت کردیا جائے کیونکہ دین اسلام میں اسی قطعی حرام قرار دیا گیا ہے۔ (آقاؐ نے فرمایا) حضرت ابوہریرہؓ سے رویت ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا اللہ نے مجھ

سے فرمایا تین قسم کے لوگ ہیں جن سے میں قیامت کے دن جھگڑوں گا۔
اول :۔ وہ شخص جو میرا واسطہ دے کر کسی سے عہد باندھتا ہے اور پھر اس عہد کو توڑتا ہے۔
دوم :۔ وہ شخص جو کسی آزاد کو غلام بنالے اور اسے فروخت کرکے اس کی قیمت کھاجاتا ہے۔
سوم :۔ وہ جو کسی شخص کو کام پر لگاتا ہے پھر اس سے پورا کام لے لیتا ہے مگر اسکی مزدوری نہیں دیتا۔

دوسری روایت میں یوں ہے کہ "قیامت کے دن میں اس کے خلاف خود مدعی بنوں گا جو کسی آزاد انسان کو پکڑکر فروخت کرے اور اس کی قیمت وصول کرے" اس حدیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے آپ کا ارشاد کسی خاص قوم، نسل، وطن یا ملک کے کسی انسان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہمیں ہر ممکن طریقہ سے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، یہاں تک کہ بعض گناہوں کے کفارے میں غلام آزاد کرنا شامل کیا گیا ہے اور اسے باعث اجر قرار دیا گیا ہے۔

وسائل حریت :۔ اسلام نے غلاموں کو آزاد کرنے کے متعلق دو طریقے اختیار کئے ہیں۔

(ا). طوعی (ب). جبری۔

طوعی طریقہ :۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "وماادراک ماالعقبة فک رقبة"
ترجمہ :۔ "اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے؟ کسی گردن کو آزاد کرنا" (البلد ۹۰: ۱۲)

اس آیت کی تفسیر مولانا ابوالاعلیٰ یوں فرماتے ہیں: "اس آیت میں نیکی کے جن کاموں کو ذکر کیا گیا ہے ان کے بڑے فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشادات میں بیان فرمائے ہیں۔ مثلاً "فک رقبة" (گردن چھڑانے) کے بارے میں حضور اکرمؐ کی بکثرت احادیث روایات میں نقل ہوئی ہیں، جن میں سے ایک حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضوراکرمؐ نے فرمایا: "جس شخص نے ایک مومن غلام کو آزاد کیا اللہ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں آزاد کرنےوالے شخص کے ہر عضو کو دوزخ کی آگ سے بچائے گا۔ ہاتھ کے بدلے میں ہاتھ، پاؤں کے بدلے میں پاؤں، شرمگاہ کے بدلے میں شرمگاہ۔ (تفہیم القرآن۔ جلد ششم البلد ۹۰: ۱۲) ص ۳۴۲

حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا یا رسول اللہؐ مجھے آپ کوئی ایسا عمل بتادیجئے جو جنت میں داخل کردے۔ فرمایا تم نے لفظ تو مختصر کہے ہیں مگر بات بہت بڑی دریافت کی ہے۔ (جنت میں داخل ہونے والا عمل یہ ہے)
"اعتق النسمة وفک الرقبة" غلام کو آزاد کرو، اگر اکیلے آزاد نہ کرسکو تو دوسروں کے ساتھ ملکر آزاد کرو۔ (بیہقی شعب الایمان۔ بحوالہ مشکوۃ)

اس ترغیب کا یہ نتیجہ نکلا کہ صحابہ کرامؓ کثرت سے غلام آزاد کرتے تھے ۔ امیر اسمٰعیل نے شرح بلوغ المرام میں چند صحابہ اکرام اجمعینؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد نقل کی ہے ۔

(۱). آقاء صلے اللہ علیہ وسلم نے ۶۳ غلام آزاد کئے ۔ (۲). حضرت عائشہؓ نے ۲۷ ۔ (۳) حضرت عباسؓ نے ۷۰ (۴) حضرت حکیم بن حزام نے ۱۰۰ (۵) حضرت عبداللہ بن عمر نے ایک ہزار (۶). حضرت عبدالرحمن بن عوف نے تین (۳) ہزار

اس روایت میں جو تعداد صحابہ کرامؓ کے آزاد کردہ غلاموں کی ہے وہ درست نہیں بلکہ اصل تعداد اس سے بڑھکر ہے ۔ مثلاً سیدنا عائشہ صدیقہؓ کے متعلق ایک حدیث ہے کہ انہوں نے صرف ایک موقعہ پر چالیس غلام آزاد کئے تھے ۔ (بخاری کتاب الادب باب الہجرت)

۲ جبری طریقے :- اسلام نے غلاموں کو زنجیروں سے آزاد کرانے کیلئے بعض گناہوں کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا ہے ۔

(۱). قتل خطاط :- ارشاد الہیٰ ہے : " ومن قتل مومنا خطأ فتحرير رقبة مومنة ودية مسلمة الیٰ اهله الا ان يصدقوا فان كان من قوم عدو لكم وهو مومن فتحرير رقبة مؤمنة وان كان من قوم بينكم وبينهم ميثاق فدية مسلمة الیٰ اهله وتحرير رقبة مومنة فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين " (النساء ۴ : ۹۲)

ترجمہ :- اور جو غلطی سے کسی مومن کو مارڈالے تو ایک مومن غلام آزاد کرے اور خون بہادے جو اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے ۔ سوائے اس کے کہ وہ معاف کردیں ۔ پھر اگر (مقتول) ایسے لوگوں سے ہو جو تمھارے دشمن ہیں اور وہ مومن ہوتو ایک مومن غلام آزاد کردینا چاہیئے اور اگر ایسے لوگوں سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے تو خون بہادینا چاہیئے جو اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے اور ایک مومن غلام آزاد کرنا چاہیئے ۔ پھر جو نہ پائے تو دو مہینے متواتر روزے رکھے ۔

(۲) کفارہ ظہار :- اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو محرمات میں سے کسی ایک کے ساتھ تشبیہ دیکر اپنے اوپر حرام کرلے تو اس کو اسلامی اصطلاح میں ظہار کہا جاتا ہے ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ظہار کرنے والا خاوند اپنے قول واپس لینا چاہیئے تو تین چیزوں میں سے ایک بطور کفارہ ادا کرنا ہوگا ۔

(۱) ایک غلام آزاد کرے (۲) ساٹھ دن تک متواتر روزے رکھے ۔ (۳). ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے

ارشاد :- " والذين يظهرون من نسائهم ثم يعودون لما قالو فتحرير رقبة من قبل ان يتماساذلكم توعظون به والله بما تعملون خبير فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل ان يتماسافمن لم يستطع فاطعام ستين مسكيناً " (المجادلہ ۵۸ : ۳،۴)

ترجمہ:۔ اور جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اس کی طرف لوٹتے ہیں جو کہا تھا تو ایک غلام کا آزاد کرنا ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ کہ ایک دوسرے کو چھوئیں اس کے ساتھ تمھیں وعظ کیا جاتا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔ پھر جو کوئی غلام نہ پائے تو دو مہینے کہ پے درپے روزے رکھئے اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں پھر جسے یہ طاقت نہ ہوتو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

(۳) کفارہ یمین:۔ اگر کوئی شخص قسم کھالے پھر اس کو توڑنا چاہئے یا توڑ دے تو اس کو قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا وہ یہ کہ متوسط درجے کا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا انکو کپڑے بناکردے یا ایک غلام آزاد کرے۔ ارشاد ربانی ہے:

" لا یواخذ کم اللّٰہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما عقد تم الایمان فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ماتطعمون اھلیکم اوکسوتھم اوتحریر رقبۃ"

ترجمہ:۔ " اللہ تمھاری بلا ارادہ قسموں پر گرفت نہیں کرتا، لیکن اس پر گرفت کرتا ہے جو تم قسم کو مضبوط کرو۔ سو اس کا کفارہ دس مسکینوں کا کھانا، درمیانہ کھانے سے جو تم اپنے گھروں کو کھلاتے ہو یا ان کو لباس دینا یا گردن کا آزاد کرنا۔" پیرکرم شاہ الازھری " ضیاء القرآن " جلداول میں رقمطراز ہیں: " وہ قسمیں جو نیت اور ارادہ سے اٹھائی گئی ہوں اور پھر انہیں پورا نہ کیا جائے تو اس قسم کو توڑنے پر باز پرس ہوگی اور کفارہ دینا پڑے گا۔ کفارہ کی تین صورتیں ہیں۔

(۱). دس آدمیوں کو کھانا کھلا دینا (۲) ان کو کپڑے پہنا دینا جن سے ان کے جسم کا اکثر حصہ ڈھک جائے مثلاً چادر اور کرتہ یا چادر اور صافہ۔ (۳) غلام آزاد کرنا۔

(۴) روزہ توڑنے کا کفارہ:۔ جو شخص جان بوجھکر روزہ توڑ دے تو اس کا کفارہ بھی ظہار کی طرح ہے یعنی غلام آزاد کرے اس کی طاقت نہ ہو ساٹھ دن متواتر روزے رکھئے اگر اس کی طاقت نہ ہو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

(۵) معمولی گناہوں کا کفارہ:۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول کریمؐ نے غلام کو زودکوب کرنے پر اس کو بطور کفارہ آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

" من لطم مملوکہ او ضربہ فکفارتہ ان یعتقہ " (ابوداؤد)

ترجمہ:۔ جو شخص اپنے غلام کو طمانچہ مارے یا اس کو زودکوب کرے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس کو آزاد کرے۔

گرہن کے وقت غلام آزاد کرنا :- حدیث شریف میں آتا ہے " امرالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالعتاقہ فی کسوف الشمس " (بخاری باب مایستحب من العتاقۃ فی الکسوف)
ترجمہ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سورج گرہن کے وقت غلام آزاد کیا جائے۔
اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوگا کہ اسلام نے کس طرح غلامی کی برائیوں کو مٹایا اور غلاموں کو اتنے حقوق عطا کئے کہ غلامی کی نسبت کے سواعام انسانی حقوق میں ان میں اور آقاؤں میں بہت کم فرق رہ گیا۔ اسلام کی تاریخ غلاموں کی عظمت اور انکے کارناموں سے بھری ہوئی ہے۔ اکابر صحابہ میں حضرت بلالؓ ، سلمان فارسیؓ ، صہیب رومیؓ ، عمار بن یاسرؓ وغیرہ غلام ہی تھے جن کے سامنے سرداران قریش گردنیں خم کرتے تھے۔ اسلام نے نسل انسانی کو غلام بنانے کے تمام طریقوں سے نجات دلائی اور غلامی کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔
آزادی عقیدہ کا حق :- اسلام تمام نوع انسانی کو مذہب وعقیدہ کی مکمل آزادی عطا کرتا ہے اور ہر ایک کو اختیار دیتا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق عقیدہ اختیار کرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: " لا اکراہ فی الدین " ترجمہ :- کوئی زبردستی نہیں ہے دین میں۔

پیرکرم شاہ الازہری " ضیاء القرآن " میں رقمطراز ہیں : " اسلام کے دشمنوں نے اسلام پر لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانے کا جو الزام لگایا ہے۔ قرآن نے پہلے ہی اس کو رد کردیا ہے کہ دین کے معاملہ میں جبرواکراہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ دین کی بنیاد ہے ایمان اور ایمان کا تعلق ہے دل سے اور دل جبرواکراہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جانتا ہی نہیں نیز اسلام بحثیت دین انسان کی باطنی اور قلبی اصلاح اور درستی کرنا چاہتا ہے۔ اگر کسی کے گلے میں آپ جبراً پھندہ ڈالیں گے تو کیا اس کی روحانی اصلاح ہوجائیگی اور کیا اسلام کا مقصد حاصل ہوجائیگا اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ایسے شخص کو مسلمان کرنے میں اسلام کو کیا دلچسپی ہوسکتی ہے؟ "

(ضیاء القرآن جلداول ،البقرہ ۳۰ : ۲۵۵)

مفتی اعظم پاکستان مولانا شفیع اس آیت کی تفسیر میں حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں :
" حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی تو اس کے جواب میں اس نے کہا " انا عجوز کبیرۃ والموت الی قریب " یعنی میں ایک قریب المرگ بڑھیا ہوں ، آخری وقت میں اپنا مذہب کیوں چھوڑ دوں ؟ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر اسکو ایمان پر مجبور نہیں کیا بلکہ یہی آیت تلاوت فرمائی " لااکراہ فی الدین " دین میں سختی نہیں۔ (معارف القرآن جلداول البقرہ ۲ : ۲۵۵)

اسلام رواداری سکھاتا ہے اور دوسرے عقائد ومذاہب کا وجود برداشت کرنے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ تقابل کا پہلو موجود رہے اور اسلام کی فوقیت وبرتری ثابت ہو۔ چنانچہ آنحضورؐ نے ہجرت کے بعد اہل مدینہ کے ساتھ میثاق مدینہ طے کیا تو اس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ تمام باشندگان کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ بین الاقوامی قانون دان پروفیسر رافیل کیمکن جس نے نسل کشی کے ضمن میں اقوام متحدہ کی قراردادوں کا مسودہ تیار کیا وہ قرارداد کی اصل شرائط کا حوالہ دیتے ہوئے کہتا ہے

'مسلمانوں کیلئے مزید کہوں گا کہ میں نے جس قرارداد کا مسودہ تیار کیا ہے وہ پوری طرح قرآن کے مطابق ہے، کیونکہ انسانی علم کے مطابق اسی میں سب سے زیادہ رواداری اور بین الاقوامی شعور والا مذہب مذکور ہے۔ یہودیت ونصرانیت کے پیغمبروں کو قبول کرنا اور دوسرے لوگوں کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی سے منع کرنا اس دین اسلام کی انسان دوستی اور جذبہ رواداری کی مثالیں ہیں۔

(مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے مصنفہ مولوی نوراحمد صفحہ ۲۲۵)

اسلامی حکومت نہ تو خود کسی کو تبدیلی، مذہب وعقیدہ پر مجبور کرسکتی ہے اور نہ ہی اس کے بعض افراد دوسروں پر تبدیلی مذہب کیلئے دباؤ ڈال سکتے ہیں۔ اس طرح مسلمانوں میں مختلف فقہی مسالک سے تعلق رکھنے والے بھی اپنے اپنے نظریات پر قائم رہ سکتے ہیں۔ البتہ تبلیغ وترغیب کے ذریعے ہر شخص یا گروہ اپنے عقیدہ ومذہب کی طرف مائل کرسکتا ہے۔ اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ قوت اور طاقت سے اس کی اشاعت کی جائے اور لوگوں کو جبراً دین منوایا جائے۔ دین کا اختیار کرنا لوگوں کی رضاورغبت پر چھوڑ دیا ہے۔ اسلام محض مذہبی اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کو قتل کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام محض ذاتی اختلاف کی وجہ سے دوسروں سے نیکی اور صلہ رحمی میں حائل ہونے سے منع کرتا ہے۔ اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ مسطح جو حضرت ابوبکرؓ کی خالہ یا ہمشیرہ کا بیٹا تھا۔ تشہیرافک میں ملوث تھا۔ حضرت ابوبکرصدیقؓ اس کی مالی مدد کیا کرتے تھے۔ افک میں ملوث ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکرصدیقؓ نے امداد کرنا چھوڑ دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

" ولا یاتل اولوالفضل منکم والسعة ان یوتوا اولی القربیٰ والمساکین والمهاجرین فی سبیل اللہ ولیعفو ولیصفحوا " ترجمہ:۔ تم میں بزرگی اور وسعت والے یہ قسم نہ کھائیں کہ وہ غریبوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو نہیں دیں گے اور چاہئیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں "۔ اس ضمن میں یہ بات بھی واضح ہے کہ عقیدہ و مذہب اختیار کرنے کی بےشک آزادی ہے لیکن اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دی جائیگی کہ جب کسی کا دل چاہئے اسلام

قبول کرکے اور جب چاہے چھوڑ دے ، بلکہ اگر کوئی شخص اسلام قبول کرنے کے بعد اسے چھوڑ دے یعنی مرتد ہوجائے تو سزا کا مستوجب ہے کیونکہ اس نے مسلمانوں میں بددلی اور انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ ایک کافر کو مسلمان کرنے کیلئے جبر نہیں لیکن ایک مسلمان کو پابند کرنے کیلئے ضروری اور جائز ہے ۔ یہ بات بلکل غلط ہے ۔ Religion is a personal affair.

لیکن جو لوگ اسلام قبول کرلیں اور اس کے بعد دین کے مطابق زندگی نہ گزاریں حدودالہیٰ کو توڑیں اور حکم الہیٰ کا انکار کریں تو ان کو دین کا پابند بنانے کیلئے سختی سے مراد سختی نہیں ، یہ دراصل اسلام کو باقی اور منظم رکھنا ہے ۔

نجی زندگی کا تحفظ :- اسلام ہر شخص کو یہ حق دیتا ہے کہ اس کی پرائیویٹ زندگی میں کوئی بے جا مداخلت نہ کرے ۔ قرآن مجید میں سورۃ النور میں ارشاد ربانی ہے :

" یایھاالذین امنو لا تدخلو بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا تسلموا علی اھلھا ذالکم خیرلکم لعلکم تذکرون " (النور ۲۴ : ۲۷ ، ۲۸) کس قدر پاکیزہ اور سادگی کی تعلیم ہے ۔ بعض اوقات آدمی ایسی حالت میں ہوتا ہے کہ وہ یہ نہیں چاہتا کہ دوسرے اس کو اس حالت میں دیکھیں ۔ آقاء صلے اللہ علیہ وسلم جب کسی کے گھر جاتے تو اجازت لینے سے پہلے دروازہ کے دائیں یا بائیں کھڑے ہوتے تھے ۔ سامنے نہیں کھڑے ہوتے تھے ، تاکہ اندر کی چیزوں پر نگاہ نہ پڑے ۔

حدیث نبوی ہے : کہ " آدمی خود اپنے گھر میں بھی اچانک داخل نہ ہو بلکہ اس طریقے سے کہ اہل خانہ کو خبر کردے تاکہ اپنی ماں ، بہن پر ایسی حالت میں نظر نہ پڑے جس سے اسے خود ناگواری ہو " ۔ بخاری و مسلم کی حدیث ہے " ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ میں تشریف فرما تھے ۔ ایک شخص نے اندر نظر ڈالی آپ کے ہاتھ میں ایک سلائی تھی آپ نے فرمایا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تم دیکھ رہے ہو تو اس سلائی سے تمھاری آنکھ پھوڑ دیتا " ایک مرتبہ ایک آدمی آیا اور آپکے دروازے کے سامنے کھڑا ہوگیا آپ نے فرمایا دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے ہو کیوں کہ اجازت لینے کا حکم اسی لیے دیا گیا ہے کہ گھر کی اندر کی چیزوں پر نگاہ نہ پڑنے پائے ۔ اسی طرح ہر شخص کو یہ بھی حق ہے کہ وہ اپنے گھر میں دوسروں کی تاک جھانک شوروغل اور بے جا مداخلت سے محفوظ ہو تاکہ اسکی گھریلو پردہ داری برقرار رہے ۔ ہر شہری کا یہ بنیادی حق ہے کہ اس کی عزت محفوظ ہو ۔ آقاء نامدار صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ارشاد فرمایا " تمھاری جانیں اور تمھارے مال اور تمھاری آبروئیں ویسی ہی حرمت رکھتی ہیں جیسے آج کے دن کی حرمت ۔ وہاں قیامت تک کیلئے عزت وآبرو کی حرمت قائم کی تحفظ عزت کے بارے میں قرآن مجید میں واضح

ارشادات موجود ہیں: جیسے

(۱) کوئی ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑائے (۲) ایک دوسرے کی تزحیق نہ کرے (۳) ایک دوسرے کی اعلانیہ یا اشاروں سے تذلیل نہ کی جائے (۴) ایک دوسرے پر برے نام نہ رکھیں۔

سورۃ الحجرات: " یاایھاالذین امنو لایسخرقوم من قوم عسیٰ ان یکون خیرا منھم .... ولا تلمزوا انفسکم ولاتنابزو بالالقاب بئس اسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاؤلیک ھم الظلمون " (الحجرات ۲۶: ۱۱)

ترجمہ:- " اے لوگوں جو ایمان لائے ہو نہ تمسخر اڑایا کرے مردوں کی۔ ایک جماعت دوسری جماعت کا شاید وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں مذاق اڑائیں دوسری عورتوں کا شائد وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عیب لگاؤ ایک دوسرے پر اور نہ برے القاب سے کسی کو بلاؤ۔ کتنا ہی برا نام ہے مسلمان ہوکر فاسق کہلانا"

صاحب " ضیاء القرآن " رقمطراز ہیں: " ان آیات میں مسلمانوں کو تمام ایسی باتوں سے سختی سے روکا گیا ہے جن کے باعث اسلامی معاشرہ کا امن وسکون برباد ہوتا ہے۔ محبت وپیار کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور خون خرابہ شروع ہوجاتا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلا حکم یہ دیا گیا کہ ایک دوسرے کا مذاق نہ اڑایا کرو۔ مذاق اسی کا اڑایا جاتا ہے جس کی عزت واحترام دل میں نہ ہو۔ جب آپ کسی کا مذاق اڑاتے ہیں تو گویا آپ اس چیز کا اعلان کررہے ہیں کہ اس شخص کی میرے دل میں کوئی عزت نہیں۔ جب آپ اس کی عزت نہیں کرتے تو اسے کیا پڑی ہے کہ وہ آپ کا احترام کرے" (ضیاء القرآن جلد چہارم صفحہ نمبر ۵۹۳)

صاحب تفہیم القرآن رقمطراز ہیں۔ (اسی آیت کی تشریح)

ایک دوسرے کی عزت پر حملہ ایک دوسرے کی دل آزادی، ایک دوسرے سے بدگمانی اور ایک دوسرے کے عیوب کا تجسس درحقیقت یہی وہ اسباب ہیں، جن سے آپس میں عداوتیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر دوسرے اسباب سے ملکر ان سے بڑے بڑے فتنے رونما ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں جو احکام آگے کی آیتوں میں دیئے گئے ہیں اور ان کی جو تشریحات احادیث میں ملتی ہیں۔ انکی بنا پر ایک مفصل قانون ہتک عزت (Law of Libel) مرتب کیا جاسکتا ہے" تفہیم القرآن جلد ۵، ص: ۸۴

اسلام میں اس بنیادی حق کی اس قدر اہمیت ہے کہ جھوٹی تہمت لگانے والے کو ایک سنگین مجرم قرار دیا گیا ہے اور اس کی سزا قرآن مجید میں اسی (۸۰) کوڑے رکھی گئی ہے۔

" والذین یرمون المحصنت ثم لم یاتو باربعة شھداء فاجلدو ھم ثمنین جلدة ولا تقبلوا لھم شھادة ابدا واولیک ھم الفسقون " (النور ۲۴: ۵)

ترجمہ :- " اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں ، حفاظت والیوں کو پھر نہ لائے چار مرد شاھد تو مارو انکو اسی درے اور نہ مانو انکی کبھی گواہی اور وہ ہی لوگ ہیں نافرمان " اسلامی قانون کی روح سے اگر یہ بات ثابت ہوجائے کہ کسی نے کسی کی عزت پر حملہ کیاجائے تو خواہ مظلوم کمزور ہویا قوی زیادتی کرنے والے کو بہرحال سزا دی جائیگی ۔ لیکن مغربی قوانین کی رو سے توہین عزت کا دعویٰ کرنے والے کو یہ ثابت کرنا پڑتا ہے کہ وہ معزز ہے یا نہیں ۔ اگر زیادتی کرنے والا صاحب اثرورسوخ ہو تو اس بحث میں غریب کو اور زیادہ ذلیل کیا جاتا ہے ۔ اسلامی قانون کی رو سے ملزم کا مجرم ہونا ہی کافی ہے خواہ اسی کا تعلق کسی قوم یا قبیلہ سے ہو ۔ بحرحال تحفظ عزت کا بنیادی حق اسلام ہی کو عطا کیا ہوا ہے ۔

آزادی رائے کا حق :- اسلام بنیادی طور پر آزادی اور حریت کا دین ہے ۔ اس سلسلہ میں وہ لوگوں کو سیاسی آزادی کا حق عطا کرتا ہے ۔ اسلام میں لوگوں کو حق حاصل ہے کہ وہ اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے حکومت کی پالیسیوں کے بارے میں کوئی بھی رائے رکھ سکتے ہیں اس پر پابندی نہیں کہ عوام حکومت کی وضع کردہ پالیسیوں سے یا طریق کار سے متفق ہوں وہ ان سے اختلاف بھی کرسکتے ہیں اور اپنی رائے کو دوسرں تک پہنچانے اور منوانے کیلئے تحریر وتقریر سے بھی مدد لے سکتے ہیں ، لیکن آزادی رائے کی آڑ میں دنگا فساد ، اشتعال اور بغاوت کی اجازت نہیں دی جاسکتی ۔ مغربی تصور میں مافی الضمیر کا اظہار اسلام سے بالکل مختلف ہے ، بے حیائی پھیلانا تو درکنار اسلام اس کی بھی (اجازت نہیں دیتا) مزاحمت کرتا ہے اور ایسا کرنے والے کو دنیا وآخرت میں رسوائی وعذاب کی خبر سناتا ہے ۔ ارشاد ربانی ہے : " ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین امنوا لهم عذاب الیم فی الدنیا والاخرة والله یعلم وانتم لا تعلمون " (النور ۲۴ : ۱۹)

" اس حق کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی پر تنقید بھی کرنا ہوتو گالی اور دشنام طرازی کی ہرگز اجازت نہیں ہے ، البتہ اشاعت معروف کے سلسلہ میں اظہار رائے کی آزادی کا نہ صرف حق ہے بلکہ اس کی اشاعت کرنا فریضہ ہے ۔ اسلامی تاریخ کے اولین دور میں عرب کے بدو بھی خلفاء اسلام پر بھرے مجمع میں تنقید کرتے تھے اور خلفاء تنقید کی روشنی میں اپنا حکم بھی بدل دیتے تھے ۔ اس کی زد میں مثال وہ واقعہ ہے جس میں حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ تقریر کے دوران لوگوں کو زیادہ مہرباندھنے سے منع کیا تو ایک عورت مجمع میں اٹھ کھڑی ہوئی اور کہا " اے عمرؓ تمھیں حق کس نے دیا ہے کہ تم عورتوں کے اس حق کو غصب کرو جو انہیں خدا نے عطا کیا ہے " یہ کہہ کر عورت نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت پڑھی : " ولواتیتم احدیهن قنطارا فلا تاخذومنه شیئاً "

" عورت نے اس آیت سے استنباط کیا کہ عورت کا حق مہر تو ڈھیر سارے خزانہ کے برابر بھی

ہوسکتا ہے پس یہ عورت کا حق ہے اور کسی کے حق کو سلب نہیں کیاجاسکتا" عورت کی جرات مندانہ اور دلائل سے مزین تقریر سن کر حضرت عمرؓ نے برملا کہا" عورت نے ٹھیک کہا اور عمرؓ نے غلطی کی" اس پر حضرت عمرؓ نے اپنا حکم واپس لے لیا۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ جمعہ کا خطبہ دینے کیلئے کھڑے ہوئے تو ایک بدو کھڑا ہوگیا اور کہا" اے عمر خدا کی قسم ہم تیری بات ہرگز نہ سنیں گے جب تک تو یہ نہ بتائے کہ مال غنیمت کے کپڑے سے ہمارا تو کرتہ نہیں بنا تیرا کیسے بن گیا ہے" اس پر آپ بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ وہ اس کا جواب دے، آپ کا بیٹا کھڑا ہوگیا اور کہا" اے لوگو! میں نے اپنے حصہ کا کپڑا بھی اپنے والد کو دے دیا جس سے انکا کرتہ بن گیا" اس پر بدو نے کہا" ٹھیک ہے اب عمرؓ اٹھ اور تقریر کر اور بدو مطمئن ہوکر بیٹھ گیا" اسلامی ریاست میں عوام پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست نے اس کو جو حقوق عطا کئے ہیں ان کا ناجائز استعمال نہ کرے، مثلاً ریاست میں اسے آزادی تحریر و تقریر ملی ہے اسے چاہے کہ اس حق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اشتعال انگیزی اور لاقانونیت کو نہ پھیلائے اور نہ ہی دوسروں پر کیچڑ اچھالے کیونکہ اس طرح دوسروں کے حقوق پامال ہوتے ہیں، مثلاً اسلامی ریاست میں عوام کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ آزادی تحریر وتقریر کے نام پر نظریہ اسلام کی مخالفت کریں یا بے حیائی اور فحش لٹریچر پھیلائیں۔

امور حکومت میں شرکت کا حق:- اسلام کے نزدیک دنیا میں انسانی حکومت دراصل خلافت اللہیہ کہلاتی ہے یہ منصب کسی ایک شخص یا خاندان کو حاصل نہیں ہوتا، بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو اس حکومت میں شرکت کا حق ہے۔ ارشاد ربانی ہے: " **وعداللہ الذین امنو منکم وعملو الصلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً**" (النور ۱۸: ۵۵)

ترجمہ:- " وعدہ فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے تم میں سے اور نیک عمل کئے کہ وہ ضرور خلیفہ بنائے گا انھیں زمین میں جس طرح اس نے خلیفہ بنایا ان کو جو ان سے پہلے تھے اور مستحکم کردیگا ان کے لئے ان کے دین کو جسے اس نے پسند فرمایا انکے لیے اورضرور بدل دیگا انہیں انکی حالت خوف کو امن سے"

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ منصب خلافت ایک اجتماعی مذہب ہے جس میں مسلم امت کے ہر شخص کو شریک ہونے کا حق ہے۔ اس مشترک نظام خلافت کو چلانے کیلئے جو عملی صورت قرآن مجید میں ارشاد ہے وہ ایک مشاورتی نظام ہے۔ جیسا ارشاد ربانی ہے: " **وامرھم شوری بینھم**"

اس اصول کے مطابق اسلام ہر شخص کو یہ حق دیتا ہے کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ امور حکومت میں شریک ہو۔ اسلام میں اس بات کی کوئی اجازت نہیں کہ کوئی شخص یا جماعت عوام الناس کو بے دخل کر کے حکومت کے اختیارات خود سنبھال لے اور اسلام میں یہ بات بھی غلط ہے کہ مشاورت کا محض ڈھونگ رچاکر لالچ فریب یا جبر سے خود منتخب ہوجائے اور مجلس شوریٰ میں اپنی مرضی کے مطابق افراد منتخب کرے ایسا کرنا نہ صرف مخلوق کے ساتھ زیادتی ہے بلکہ خالق کائنات کے ساتھ بھی غداری ہے، کیونکہ یہ منصب اللہ کی طرف سے ملت اسلامیہ کو بطور امانت ملا اورفریب اور دھوکہ سے جو انتخاب بھی ہوگا وہ خیانت شمار ہوگا۔ اس بنیادی حق کی رو سے ہر شخص کو حکومت سے اختلاف رکھنے، تنقید کرنے کا بھی حق ہے۔

معصیت سے اجتناب کا حق:- اسلام ہر فرد کو یہ حق دیتا ہے کہ اسے کسی قسم کے گناہ پر مجبور نہ کیا جائے اگر کسی ملک کا سربراہ ایسا حکم دے جس میں شریعت کی نافرمانی ہو تو ہر فرد ایسی اطاعت سے انکار کا حق رکھتا ہے اور وہ انکار اسلامی قانون کی رو سے کوئی جرم نہیں ہوگا بلکہ معصیت کا حکم دینا ہی جرم ہے، جس پر ملک کا سربراہ قابل مواخذہ ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

" لاطاعة لمخلوق فی المعصیة الخالق " ترجمہ:- خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں " اس اصول کے مطابق اسلامی حکومت یا اس کا کوئی ادارہ یا افسر اپنے کسی ماتحت یا رعایا کو کوئی ایسا حکم نہیں دے سکتا، جو اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے منافی ہو اور اگر کوئی ظالم حاکم بن جائے اور وہ اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف کوئی حکم دے تو اس کی اطاعت مسلمانوں پر واجب نہیں، اگر اطاعت سے انکار پر کوئی حاکم اپنے ماتحت کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کرے تو وہ عدالت کی طرف رجوع کرسکتا ہے کیونکہ یہ بھی اس کا بنیادی حق ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے اخلاق وکردار کا تحفظ بھی اسلامی ریاست پر واجب ہے اور ہر مسلمان کو اخلاق کے دائرے میں زندگی بسر کرنے کا حق حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

" تعاونوعلی البروالتقویٰ ولا تعاونو علی الاثم والعدوان "

ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حق:- قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

" لایحب اللہ الجھر بالسوء من القول الا من ظلم " (النساء ۴ : ۱۴۸)

ترجمہ:- اللہ بری بات کے مشہور کرنے کو پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا ہو "

اس آیت کی رو سے ہر شخص کو بنیادی حق ہے کہ وہ ظلم کے خلاف اپنی آواز بلند کرے یہ صرف انفرادی حق ہی نہیں بلکہ اگر کوئی جماعت یا گروہ اقتدار پر قبضہ کرکے پوری آبادی پر ظلم ڈھائے تو

اس کے خلاف احتجاج کیا جاسکتا ہے اس حق کو سلب کرنے کا کسی کو بھی اختیار نہیں اگر کوئی حکومت اس حق کو دباتی ہے تو وہ خود ہی خدا سے بغاوت کی بنا پر حکم دینے کا اختیار نہیں رکھتی لہذا جہاں ظلم کرنے سے روکا گیا ہے وہاں ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے: "بہترین جہاد جابر حاکم کے سامنے کلمہ حق بیان کرنا ہے"

معاشی حقوق :- اہل یورپ عام طور پر یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام صرف عبادات اور اذکار کا مذہب ہے اور معاشی تگ ودو صرف دنیاداری ہے، اس کا اسلام سے تعلق نہیں یہ نظریہ سخت گمراہ کن ہے۔ اس نظریہ نے ایک طرف جہاں اسلام کو ایک پرائیویٹ معاملہ بنادیا ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کو اپنے معاشی حقوق کیلئے سوشلزم، کمیونزم اور کیپٹل ازم کی طرف رجوع کرنے پر مجبور کردیا ہے۔ اسلام مکمل ضابطہ حیات ہونے کے حوالے سے انسانی زندگی کا نہایت اہم پہلو یعنی معاشی زندگی کی اصلاح اور معاشی تحفظات کا بھی ضامن ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی مذہب بھی معاشی پہلو کو نظرانداز کرکے ایک سچے یا فلاحی مذہب کا دعویدار نہیں ہوسکتا۔ آنحضورؐ نے اس نازک پہلو کی طرف یوں اشارہ کیا ہے: " کادالفقران یکون کفرا" قریب ہے کہ غربت انسان کو کفر تک لے جائے" اسلام اپنے ماننے والوں کو مال کمانے اور خرچ کرنے کی کھلی چھٹی نہیں دیتا بلکہ اس ضمن میں جائز وناجائز اور حلال وحرام کی حدود متعین کرتا ہے۔ جدید معاشی نظریات کے مقابلہ میں اسلامی نظام معیشت اس لحاظ سے بھی اعلیٰ وارفع ہے کہ اس کا ضابطہ حیات حلال وحرام جامع بے مثل اور منفرد طرز کا ہے۔ اسلام میں حلال وحرام کے امتیاز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اس ضابطے کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ کوئی کاروبار یا پیشہ خواہ مادی نقطہ نظر سے کتنا ہی منفعت بخش ہو اگر اسلام نے اسے حرام قرار دیا ہے تو کوئی مسلمان اسے اختیار میں کر سکتا۔

اسلام نے کمائی کے ایسے تمام ذرائع کو ناجائز قرار دیا ہے جس سے خدا کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی، دوسرے افراد کو یا اجتماعی طور پر پوری ملت یا ملک یا معاشرے کو اخلاقی یا مادی نقصان پہنچ سکتا ہو یا ایسے تجارتی طریقے جن میں سے کسی ایک فریق کا یقینی طور پر فائدہ ہو اور دوسرے فریق کا فائدہ مشتبہ ہو اسلام اس ذریعہ آمدنی کو ناجائز اور حرام قرار دیتا ہے۔ جس سے دوسرے لوگوں کا استحصال ہوتا ہے جبکہ سرمایہ دارانہ نظام میں معاشرہ دوگروہوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ ایک طرف سرمایہ دار کو زندگی کی بنیادی ضروریات کے ساتھ ساتھ تعیشات بھی حاصل ہوتی ہیں، جبکہ دوسرے طبقے کو بنیادی ضروریات زندگی بھی میسر نہیں ہوتے۔ سرمایہ دار مزدور کا استحصال کرتا ہے، اس نظام میں مزدور کی محنت کا بڑا حصہ محض اس کی مجبوری ولاچاری کی بنا پر سرمایہ دار ھضم کرجاتا

ہے اسکے خون پسینے کی کمائی سے سرمایہ دار کیلئے عیاشیوں کے سامان مہیا ہوتے ہیں بقول شاعر مشرق

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات

اہل یورپ کا اقتصادی نظام ایک ایسے معاشرے کو پروان چڑھاتا ہے جس میں دولت کو مجازی خدا کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ سرمایہ دار اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال کر حیوانوں کی طرح بغیر کسی پابندی کے وہ سب کچھ کر گزرتا ہے جس سے اس کی دولت میں اضافہ ہو اسلام کے نزدیک دولت بری چیز نہیں بلکہ خیر ہے فضل خدا ہے۔ اپنی ضروریات کیلئے دولت جمع کرنا بھی معیوب نہیں بلکہ ضروری ہے لیکن اگر انسان اپنے خالق کو فراموش کر کے دولت کا پجاری بن جائے ہر وقت اس اضافے کی فکر میں لگا رہے تو پھر یہی دولت ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

" الھکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر " ترجمہ:۔ "لوگو! تم کو مال میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔" (التکاثر ۱ : ۲)

اسلام یہ تصور بھی دیتا ہے کہ حلال اور پاکیزہ چیزیں بھی ہمارے لیے تب ہی حلال ہونگی جب ہم جائز طریقے سے انہیں حاصل کریں گے۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ حلال چیز بھی حرام ہوجاتی ہے جبکہ اہل یورپ کے اقتصادی نظام میں منافع کا لالچ بنیادی حیثیت لئے ہوئے ہے۔ آجر صرف اسی شے کی تیاری کو ترجیح دیتے ہیں جس میں انہیں زیادہ منافع حاصل ہونے کی امید ہو، خواہ وہ معاشرتی فلاح و بہبود کیلئے فائدہ مند ہو یا نقصان دہ انہیں اس چیز سے کوئی غرض نہیں اس نظام پر اسٹگر یوں تبصرہ کرتے ہیں: "اگر کسی شہر میں آب رسانی کے انتظام کی ضرورت ہو اور عین اسی وقت اعلیٰ قسم کی شرابوں کی تیاری زیادہ منافع بخش ہو تو کاروباری حضرات اپنا سرمایہ آب رسانی کے انتظام کی بجائے شراب کی تیاری میں لگانے کو ترجیح دیں گے" جبکہ اسلام میں اکتساب مال اور صرف مال پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں وہ اس لیے بھی ہیں کہ یہاں نظام معاش محض نظام معاش کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہ نظام الاخلاق کے قیام کیلئے ہے۔ یعنی غیر اسلامی نظام میں معاش برائے معاش ہے اور اسلام میں معاش برائے اخلاق ہے۔ اسلام نے آمدنی کے ان تمام راستوں پر پابندی عائد کردی ہے جو اخلاقی زندگی سے مطابقت نہیں رکھتے۔ سرمایہ دارانہ نظام پر اس کام کو محنت تصور کیا جاتا ہے جس سے مادی معاوضہ حاصل ہو اخلاقی یا غیر اخلاقی قدروں کو مدنظر نہیں رکھا جاتا۔ دوسری طرف اشتراکیت جلدی محنت کی قائل ہے لیکن اسلام نہ تو معاش کے ضمن میں اخلاقی قدروں کو پامال کرنے کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی جلدی محنت کا قائل ہے۔ اسلام اس محنت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے جو اخلاقی حدود کے اندر ہو اور اجرت و منفعت کے اعتبار سے آزاد ہو۔